© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وبہ نستعین......

حضراتِ عبادلہ کی مفتوحہ سرزمین......طرابلس کی سیر

کچھ عرصہ قبل لیبیا میں ہونیوالی ایک کانفرنس میں شرکت کے لئے جانے کا اتفاق ہوا۔ یہ کانفرنس لیبیا کی جمعیۃ الدعوۃ الاسلامیہ کی جانب سے تھی اور جمعیت کے قیام کے بیس سال مکمل ہونے پر بیس سالہ تقریبات کا حصہ تھی...... حالِ سفر آپ سے شیئر کرتے ہیں۔

....

لیبیا کے بارے میں ہماری معلومات اب تک (۱۹۹۰ء) یہ ہیں کہ یہ ایک اشتراکی جمہوریہ ہے یعنی سوشلسٹ جمہوری ملک، اس کے سربراہ فوج کے ایک اعلیٰ افسر و سربراہ جناب کرنل قذافی ہیں۔ کرنل قذافی کا نام ہم نے اس زمانے سے سن رکھا ہے جب ہم کالج میں پڑھا کرتے تھے اور یہ کالج بھی خاصا جمہوری و سیاسی کالج بن گیا تھا۔ ہماری مراد ہے گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی راولپنڈی جسے پہلے پہل گورنمنٹ پولی ٹیکنک کالج کہا جاتا تھا۔ ہم نے اس کالج سے میٹرک کے بعد استفادہ کیا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہمیں اس سے استفادہ کرایا گیا، کیونکہ وہ عمر اپنے فیصلے خود سے کرنے کی نہیں تھی۔ یہ ۱۹۷۳ء کی بات ہے جب ہم نے اپنے آبائی اسکول سے سائنس میں فرسٹ ڈویژن سے میٹرک کیا تھا۔ اور ہمارے برادر بزرگوار جناب نور اکبر شاہباز صاحب ان دنوں پاکستان ملٹری اکاؤنٹس میں پی او ایف واہ کینٹ میں جاب کرتے تھے۔ ہمارے بھائی جان ہمیشہ سے ہمارے بڑے خیر خواہ رہے ہیں اور وہ ہمارے والدؒ گرامی علامہ عبدالرحمٰن مہروی کے بڑے صاحبزادے ہونے کی بناء پر دستِ راست بھی تھے۔ یہ جو ہم میں کچھ دین و دنیا کی سوجھ بوجھ ہے تو اس میں ہمارے انہی دونوں بزرگوں کی کاوشوں محنتوں اور دعاؤں کا عمل دخل زیادہ ہے۔ ہمارے والد گرامی نے متحدہ ہندوستان کے زمانے میں دہلی اور لاہور کے مدارسِ اسلامیہ سے استفادہ کیا اور دینی علوم کی تکمیل کے بعد پنجاب یونیورسٹی لاہور کے اورنیٹل کالج سے مولوی اور منشی فاضل کیا تھا اور وہ اپنا آبائی زمیندارہ چھوڑ کر تعلیم و تعلم کی دنیا میں وارد ہوئے تھے۔ مدارس اسلامیہ اور جامعہ پنجاب سے سند فراغ حاصل کرنے کے بعد انہوں نے تدریس کے شعبہ کو اختیار کیا اور گورنمنٹ اسکول میں عربی اور فارسی کے استاد مقرر ہوئے۔ دہلی میں قیام کے دوران اپنے ایک استاذ گرامی کے

☆ تا تریاق از عراق آوردہ شود...... مار گزیدہ مردہ باشد ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توسط سے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے در تک رسائی پائی اور انہیں مجدد وقت، مرد کامل، مرشدِ مہرباں، شیخ اور استاذ سید پیر مہر علی شاہ صاحب (قدس سرہ العزیز) کی صحبتیں نصیب ہوئیں۔

لیجئے صاحب آپ بھی کہیں گے کہ لیبیا کا سفر اور داستان پدرم سلطان بود کی شروع ہوگئی...... اس داستان کی تفصیلات آئندہ کسی موقع پر انشاء اللہ سپرد قلم کی جائے گی۔ یہاں اسے جملہ معترضہ کے طور پر قبول کر لیجئے......تو، اس خوش نصیب یا بد نصیب کالج یعنی گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی میں، جسے ہم جیسے اور محترم شیخ رشید صاحب جیسے کچھ ایسے (ہونہار) طلبہ میسر آئے، کہ بہت جلد اسے بند ہونا پڑا، تعلیم کے دوران ہم جناب کرنل معمر القذافی صاحب سے متعارف ہوئے۔ کیونکہ کرنل صاحب ہمارے اس وقت کے وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے دوستوں میں سے تھے۔ اور شاید آئیڈیل بھی کہ انہی کی دوستی کے سبب بھٹو صاحب اس اچھی خاصی اسلامی جمہوریہ پاکستان کو بھی اشترا کی جمہوریہ بنانا چاہتے تھے، انہوں نے اس کے لئے کافی پاپڑ بیلے اور مساواتِ محمدی کا نعرہ لگایا، سوشلزم کی تعریف میں متعدد کانفرنسیں اور سیمینار زان کے دور میں ہوئے، اخبارات میں سرخ مضامین کی بھرمار ہوئی۔ سرخ پوش رہنما خان عبدالولی خان سے دوستی کی بنیاد بھی یہی تھی۔ بھٹو صاحب کے ایک اور دوست جناب حنیف رامے صاحب نے تو ایک اچھا خاصا سرخ اخبار (مساوات) نکال ڈالا جو سوشلزم کا پرچارک تھا......

یہ وہ دور تھا جب پاکستان میں لیبیا کی بڑی پذیرائی تھی لیبیا ہی نہیں شام اور دیگر سوشلسٹ ممالک سے بھی سرکاری تعلقات عروج پر تھے...... کرنل قذافی بنفس نفیس پاکستان کے دورے پر آئے اور ان کے نام سے لاہور کا وہ اسٹیڈیم منسوب کیا گیا جس میں انہوں نے زندہ دلانِ لاہور کی ایک بڑی تعداد سے خطاب کیا تھا۔ قذافی اس دور کے نوجوانوں کے آئیڈیل بن چکے تھے اور پاکستان میں بھی سرخ انقلاب کی باتیں ہونے لگی تھیں۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں طلبہ سرخ پی کیپ پہننے لگے تھے باقاعدہ سرخ انقلاب کے نعرے لگتے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے نوجوانوں میں انقلابی روح پھونک دی تھی اور وہ خود قائد عوام کے منصب (خود ساختہ) پر فائز ہوگئے تھے۔ بلاشبہ بھٹو میں قیادت کی وہ اہلیت تھی کہ وہ قائد اعظم بھی بن سکتے تھے اور انہوں نے تھرڈ ورلڈ کا نعرہ لگایا اور تیسری دنیا کے قیام کی بنیادیں بھی رکھ دی تھیں، وہ اقتدار میں جس طرح بھی آئے، جس انداز سے رہے اور جس بے دردی سے رخصت کئے گئے، وہ پاکستان کی تاریخ کا ایک الگ باب ہے، مگر پاکستان کو ایٹمی طاقت بنانے، قادیانیوں کو اپنی پارٹی کی

ان العصا من العصیۃ خشت اول چون نهد معمار کج ...... تا ثریا می رود دیوار کج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکثریت رکھنے والی پارلیمنٹ سے غیر مسلم اقلیت تسلیم کروانے اور اسلامی سربراہی کانفرنس جیسے اقدامات کے نتیجے میں قادیانیوں اور غیر مسلم دنیا کی نظروں میں کھٹکنے لگے تھے۔ اور شاید یہی اسباب در پردہ ان کی تنزلی، اقتدار سے معزولی اور تختہ دار تک پہنچنے کے بھی تھے۔

ہم کراچی سے طرابلس (لیبیا) کے لئے لیبین ایئر لائن کی پرواز سے رات کو روانہ ہوئے۔ یہ وہ ملک ہے جسے اسلام کے نامور فرزندوں حضور ﷺ کے غلاموں، اور امت مسلمہ کے عظیم مجاہدوں نے بزور شمشیر فتح کیا۔ علامہ ابن خلدون کے مطابق حضرت عبداللہ بن ابی سرح والئ مصر کو بلاد افریقہ کی فتح کے لئے امیر مقرر کیا گیا۔ یہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سن ۲۷ ہجری کی بات ہے۔ دس ہزار فوج کے ساتھ آپ افریقی ممالک کی فتح کے لئے کمر بستہ ہوئے تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص، اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما جیسے کہنہ مشک مجاہدین و منتظمین کی مدد اور تعاون ان کو حاصل تھا جو بحکم خلیفہ مدینہ طیبہ سے ایک لشکر عظیم لیکر نکلے تھے۔ اس طرح یہ لشکر، لشکرِ عبادلہ کے تاریخی نام سے موسوم ہوا۔ یہ اسلامی فوج ایک مدت تک طرابلس میں رہی طرابلس پر اس وقت جرجیر کی حکومت تھی جو ہرقل کا ماتحت اور باجگوار تھا۔ ایک لاکھ بیس ہزار کی فوج ظفر موج کے ساتھ جرجیر میدان میں ڈٹا رہا، حضرتِ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے اسے دعوت اسلام دی مگر دولت اسلام اس کے نصیب میں نہ تھی اس نے اپنی فوج میں اعلان کرایا، جو عبداللہ بن ابی سرح کا سر کاٹ کر لائے گا اسے ایک لاکھ دینار دئے جائیں گے اور وہ جرجیر کی بیٹی سے شادی کرے گا۔ اس اعلان سے عبداللہ بن ابی سرح کچھ متفکر ہوئے تو جناب ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا اس میں فکر کی کیا بات ہے، تم بھی اعلان کرادو کہ جو جرجیر کا سر کاٹ کر لائے گا اسے مال غنیمت سے ایک لاکھ دینار ملے گا اور جرجیر کی بیٹی اس کے نکاح میں دی جائے گی۔ اس اعلان کا اثر یہ ہوا کہ اگلے ہی روز دونوں فوجوں نے پوری قوت لگادی، حضرت عبداللہ ابن زبیر کے ہاتھوں جرجیر قتل ہوا اور طرابلس فتح ہوگیا۔ فتح طرابلس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن ابی سرح نے ۲۸ ہجری میں (بقول بعض مؤرخین) پہلے اسلامی بحری بیڑے کی بنیاد ڈالی...... تو یہ سرزمین عبادلہ اربعہ کی مفتوحہ سرزمین ہے، ہمارا دل اس تصور سے جھوم جھوم گیا کہ ہم وہاں جارہے ہیں جہاں میرے نبی ﷺ کے ان غلاموں کے قدم لگے ہیں جن پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ناز ہے...... (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ)

آدم ھر چہ دارداز پیش قنداق دارد ☆ تخم مرغ دزد، شتر دزد می شود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاز سات گھنٹے مسلسل فضاء میں پرواز کرتا رہا اور صبح کے وقت اس نے اترنے کا اعلان کیا، مگر جلد ہی یہ اعلان واپس لے لیا گیا اور نیا اعلان یہ ہوا کہ چونکہ طرابلس میں موسم صاف نہیں، دھند ہے اس لئے ہم بن غازی جا رہے ہیں۔ بن غازی لیبیا کا دوسرا بڑا شہر ہے ہم نے اس کا نام پہلی بار جہاز کے کپتان کے اعلان سے ہی سنا تھا۔ لیبین ایئر لائن کے اس جہاز میں سات گھنٹے کے بعد مزید کچھ وقت گزارنے کو کسی مسافر کی طبیعت تیار نہ تھی اور جہاز کے زیادہ تر مسافر، تھے بھی کانفرنس کے مندوبین......
فضاء میں کسی طیارے میں سوار انسان کس قدر بے بس ہوتا ہے اس کا اندازہ آج ہوا۔ واش روم نا قابل استعمال ہو گئے، اے سی سست ہو گیا، سیٹوں پر پاؤں لٹکا کر بیٹھے بیٹھے پاؤں سوجنے لگے۔ اور جہاز کے اندر کی مصنوعی ہوا میں تعفن پیدا ہونے لگا۔ یہ تو اچھا ہوا کہ کیپٹن نے بن غازی اترنے کا اعلان کیا کہیں یہ نہیں کہہ دیا کہ صاحبو...... آپ کا جہاز اغواء ہو چکا ہے چنانچہ اب ہم فضائی قزاقوں کے رحم و کرم پر ہیں...... اعاذ نا اللہ منہا......

ایک گھنٹہ کی مزید پرواز کے بعد طیارہ بن غازی کے اس ایئر پورٹ پر اترا جو ہمارے ملتان (کے قدیم) ائیر پورٹ سے کسی قدر مماثل تھا۔ ہر طرف گرد کا طوفان نظر آ رہا تھا شہر کی عمارتیں بھی ٹھیک سے دکھائی نہ دیتی تھیں۔ یہ منظر دیکھ کر بے ساختہ یہ مصرعہ زبان پر آیا۔ چہار چیز است تحفہ ملتان۔ گرد، گرما، گدا و گورستان......

مگر نہ تو یہ اپنا ملتان تھا اور نہ ہی مولے کا تھان...... بلکہ یہ تھا افریقی عربستان...... کا ایک ریگستان......

تھوڑی ہی دیر میں جہاز اتر گیا اور پھر آہستہ آہستہ پائلٹ صاحب بھی اپنا پاندان لے کر اتر گئے...... انہوں نے رن وے کے قریب ایک خود رو سے درخت کے نیچے کھڑی ایک ''ہوائی سائیکل'' کھولی جو غالباً درخت کے تنے سے بندھی تھی...... اور یہ جاوہ جا...... ہم نے ہوائی سائیکل اس لئے کہا کہ یہ موٹر سائیکل نہیں تھی بلکہ بائی سائیکل تھی عربی میں موٹر سائیکل کو دراجہ ناریہ اور بائی سائیکل کو دراجہ ہوائیہ کہتے ہیں کہ یہ ہوا سے چلتی ہے۔ اور وہ نار سے......

سبحان اللہ، اللہ کی شان دیکھئے ہوا اور نار کی طبیعت میں کس قدر فرق ہے کہ جو بیچارا صرف سائیکل پر سوار ہوتا ہے اس میں کس قدر عاجزی ہوتی ہے اور جو نوجوان موٹر سائیکل پہ سوار ہوتا ہے اس

ان اخاک من واساک ☆ دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست در پریشاں حالی و درماندگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کس قدر شوخی و تیزی ہوتی ہے..... کہ بس ہوا میں اڑتا جائے.....شاید یہ ہوا اور آگ کا مزاج ہی ہے جو سوار پر اثر انداز ہوتا ہے..... واللہ اعلم بالصواب.......

شروع شروع میں ہم نے دارالعلوم قمرالاسلام سلیمانیہ میں جب اپنے عربی استاذ ڈاکٹر عبدالغنی صاحب (الازہری......التیونسی) سے دراجہ ناریہ کا لفظ سنا اور پڑھا تھا تو ہم ڈر سے گئے تھے کہ یہ کہیں جہنمیوں کی سواری نہ ہو کہ ہم نے اب تک قرآن میں جہاں کہیں نار کا خوف ناک لفظ پڑھا تھا اس سے مراد ایک ہی نار تھی اور وہ ہے نارِ جہنم...... دوسری نار تو صرف نارنمرود ہی رہ جاتی ہے......تو وہ تو چونکہ گل وگلزار بن گئی تھی لہٰذا اس کے موٹر سائیکلوں میں بھرے جانے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا......رہی وہ نار جو پنجابی زبان کی ہے تو اس کا قوی امکان ہے کہ یہ موٹر سائیکلیں انہی کی وجہ سے دراجہ ناریہ کہلاتی ہوں کہ اہل مغرب نے اصلاً اپنی بانکی ناروں کے لئے ہی ایجاد کی ہوں کہ وہاں ناروں کی تعداد زیادہ ہے، اور ازاں بعد ان پر مرد حضرات بھی نعرے مارتے ہوئے چڑھ دوڑے ہوں...... بہرکیف وہ کیپٹن صاحب تو دراجہ ناریہ، یعنی کسی نار کے دراجے پر سوار ہو کر اپنی نار کے پاس جا پہنچے مگر ہم بے نار و بے کار اسی جہاز میں بیٹھنے پر مجبور کیے گئے اور ہمیں جہاز سے اترنے اور بن غازی کے ایئرپورٹ پر چہل قدمی تک کی اجازت نہ دی گئی......کوئی نصف گھنٹہ گزرا ہوگا کہ جہاز ہمیں قبر محسوس ہونے لگا۔ جہاز کی روشنیاں بجھادی گئیں، اے سی پہلے ہی بند ہو چکا تھا اور ڈی سی کوئی جہاز میں تھا نہیں جو اسے کھلواتا۔ اگر جہاز کا وہ دروازہ بھی بند کر دیا جاتا جس سے باہر سے کچھ روشنی اندر آرہی تھی تو ہم قبر کا تصور کرنے میں حق بجانب تھے۔ ویسے بھی جہاز کی شکل اوپر سے قبر کی کوہان جیسی ہی ہوتی ہے۔ اور پھر جب جہاز سے فرشتیاں بھی غائب ہو جائیں تو اس کا منظر خاصا ڈراؤنا ہو جاتا ہے۔ یہ جو اللہ تعالیٰ نے جنت میں حوروں کا انتظام کیا ہے یہ اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے ورنہ جنت میں اس سجے سجائے جہاز کی طرح دل بہلانے والا کوئی نہ ہوتا تو...... وقت پاس کرنا خاصا دشوار ہو جاتا جس کا اندازہ مسافروں کی اس بے چینی سے ہم نے لگایا جنہیں جہاز میں مزید وقت اس کیفیت کے ساتھ گزارنا انتہائی مشکل لگ رہا تھا۔ ایک لمحہ کے لئے ہم سوچ کر رہ گئے کہ جب اس وقت اس قبر نما جہاز کا عالم یہ ہے تو اس حقیقی قبر کا عالم کیا ہوگا؟...... اللھم انا نعوذبک من عذاب القبر...... ومن فتنۃ القبر......

بالآخر جہاز کے عملے کے ایک شخص نے ائیرپورٹ والوں سے وائرلیس کے ذریعہ رابطہ کیا تو اسے بتایا گیا کہ وہ پائلٹ تو اپنی نارِ شکم مٹانے میں تنورِ شکم دم بدم تافتن کی کیفیت میں ہے، کیونکہ وہ روزِ

انک لا تجنی من الشوک العنب ☆ گر از [illegible] خرما ان خورد از این خار کہ کشتیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نایافتن کی کئی روزہ مصیبت دیکھنے کے بعد آج موسم کی خرابی کے بہانے واپس لوٹا ہے۔ دوسرے کا بندوبست کر رہے ہیں۔ ہم نے یامسبب الاسباب کا وظیفہ شروع کر دیا تاکہ اس مشکل سے جلد خلاصی ہو...... تفصیلات معلوم ہوئیں تو سارے جہاز والے خوب لطف اندوز ہوئے...... ہر ایک نے اس صورتحال پر اپنے اپنے انداز میں تبصرہ کیا...... بتایا گیا کہ جب یہ جہاز طرابلس پہنچا تھا تو اس نے کنٹرول ٹاور کے ذریعہ متبادل پائلٹ سے رابطہ کیا اسے یہ بتایا گیا کہ متبادل پائلٹ جسے یہ پرواز کسی اور ملک لے کر جانی ہے۔ وہ اس وقت بن غازی میں ہے۔ اور یہ پائلٹ جو ہمیں لایا تھا اس کا گھر بن غازی میں ہے۔ اسباب جڑ گئے تھے۔ اور جب اسباب جڑ جائیں تو مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں اسی لئے صوفیاء کرام مشکل میں یامسبب الاسباب کا وظیفہ بتاتے ہیں۔ چنانچہ اس کی مشکل آسان ہوئی اور یہ اپنے گھر پہنچ گیا جبکہ جسے بن غازی سے ادھر آنا تھا اسے سواری مل گئی۔ ہمارے جہاز کے اردگرد سناٹا تھا۔ نہ بندہ نہ بندے دی ذات...... تھوڑی ہی دیر بعد ایک سائیکل سوار نظر آیا تو جہاز کی کھڑکیوں سے سر جوڑے بیٹھے مسافروں نے کہا کوئی آ رہا ہے۔ شاید پائلٹ ہو۔ ہمارے برابر بیٹھے ہوئے لیبی دوست نے کہا **لعله طيار** ......(شاید وہ پائلٹ ہے) ہم نے دل ہی دل میں کہا **فان لم تكن طيار فكن طيارا بجاه نبينا الكريم**...... شاید ہماری یا کسی کی دعاء قبول ہوئی اور وہ تو واقعی پائلٹ ہی نکلا مگر وہ پہلے والا نہیں نیا تھا...... حضرتِ طیار جہاز میں جیسے ہی داخل ہوئے سب نے بیک زبان کہا...... الحمدللہ...... اور پھر طیارہ اسٹارٹ ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں طرابلس کی جانب محو پرواز ہو گیا......

اس واقعہ سے ہم نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اشتراکی جمہوریہ لیبیا میں سوشلزم کی پابندیاں تو جو ہوں گی سو ہوں گی مگر کسی حد تک واقعی جمہوریت بھی ہے اور اشتراکیت بھی کہ جمہور میں سے ایک نے اپنے گھر جانا چاہا تو طیارے سمیت چلا آیا اور دوسرے نے گھر سے ڈیوٹی جانا تھا تو اسے گھر بیٹھے جہاز لینے آ گیا...... اور دونوں کے اشتراکِ عمل سے جمہوری انداز میں موسم خراب ہو کر دونوں کے کام آ گیا...... یہ ہے اشتراکی جمہوریہ لیبیا...... ایسا ہی ایک بار موسم لاہور کے ایئرپورٹ پر خراب ہوتے ہم نے دیکھا تھا۔ اور اسلام آباد جانے والی پرواز رن وے پر کھڑی موسم بہتر ہونے کا انتظار کر رہی تھی مابدولت بھی اسی پرواز میں سوار تھے اور سیٹ جہاز کے اگلے دروازے کے قریب تھی۔ اچانک ایک منچلا جہاز میں داخل ہوا اس کے آتے ہی میرے برابر والی سیٹ سے آواز بلند ہوئی۔ پھٹے منہ...... ایہہ جہاز توں لیٹ کرایا اے...... یہ آواز ہمارے ایک وزیر صاحب کی تھی جس کے جواب میں آنے والے نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہا......تسیں سارے مینوں چھڈ کے آگئے سی فیر گئے نئیں...... چل گیا ایہ جہاز ......اس مکالمے پر اور بھی کچھ سوٹڈ بوٹڈ لوگوں نے گرہیں لگائیں......اور جہاز روانہ ہو گیا۔ پتہ یہ چلا کہ ان حضرت وزیر جہانگیر صاحب نے جہاز رکوایا ہوا تھا...... اور موسمی خرابی تو فقط ایک بہانہ تھا......جس کا جہاز میں بار بار اعلان ہو رہا تھا......

ایک گھنٹہ کی مزید پرواز کے بعد ہم واپس طرابلس پہنچ چکے تھے، جہاز لینڈ کر رہا تھا اور مسافر رب کا شکر ادا کر رہے تھے کہ منزل رسید ہو رہے تھے۔ جہاز سے اترتے ہی ہمارے میزبانوں نے ہمارا پرتپاک استقبال کیا یہ لوگ جہاز کے پاس آ گئے تھے۔ ہمیں ایک وی آئی پی لاؤنج میں لے جایا گیا۔ اور قہوے اور کھجور سے ہماری تواضع (دلجوئی) کی کوشش کی گئی......اور ہمارے ساتھ جو کچھ تاخیر پیش آئی اس پر معذرت کی گئی اور کہا گیا کہ موسمی خرابی کے باعث جہاز بروقت اتر نہ سکا......ہم تو اندر کی بات جانتے تھے سو ہمیں اس وقت وہ جملہ یاد آیا جو جناب قاضی عبدالدائم صاحب نے اپنی ایک دلچسپ کتاب میں لکھا ہے......(انڈر کا باٹ یا تم جانتا ہے یا ہم جانتا ہے) ہم نے اپنے ساتھی لیبی سے کہا...... صاحب الدار ادری ما بداره لیکن اس وقت تو بہر حال یہ معذرت قبول کرنی ہی پڑے گی۔ وہ ہماری اس بات سے خوب محظوظ ہوئے اور کہا یہ پروٹوکولائی معاملہ ہے......

یہاں ہمیں کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا ہمارے پاسپورٹ جہاز ہی میں ہم سے لے لئے گئے تھے اور ہمارا سامان بھی خود بخود جہاز سے لاؤنج اور لاؤنج سے ان گاڑیوں میں پہنچ گیا جو ہمیں لے کر مستقر کی جانب روانہ ہو گئیں۔ سرکاری مہمان ہونے کا یہ فائدہ ہوتا ہے۔ نہ پوچھ نہ پڑتال......نہ تفتیش نہ کوئی حساب و کتاب......کاش! ہمیں آخرت میں بھی سرکار کی سرپرستی مل جائے اور حضور فرمادیں انہیں بلا حساب و کتاب (جنت) جانے دو یہ میرے ہیں......

ہمیں جہاں ٹھہرایا گیا یہ فندق القصر البحر الابیض ہے اسے دیکھ کر یاد آیا کہ کبھی ہم فندق القصر البحر الاحمر میں بھی ٹھہرے تھے جو جدہ میں تھا......

یہاں کانفرنس کے مندوبین کی ایک بڑی تعداد پہلے ہی موجود تھی اور ہمارا وجود اس میں ایک خوشگوار اضافہ تھا......اس کا اندازہ ہمیں اپنے میزبانوں کی اس بات سے ہوا جو وہ بار بار دہراتے تھے ......اھلا اھلا......شرفتم بلادنا......شرفتمونا......نورتم طرابلس بوجودکم......یہ جملے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت پرمبنی ہوں یا محض پرڈو کولائی...... ہیں بہت خوبصورت......اوران سے محبت کا اظہار ہوتا ہے...... ہر قوم کے اظہارِ محبت کے اپنے اپنے انداز ہیں......اوراظہار محبت کیلئے زبان سے کچھ کہنا سنت بھی ہے اور صدقہ بھی......کہ حضورﷺ کا فرمان ہے کلمة الخير صدقة......اب مجھے وہ الفاظ یاد آرہے تھے جو نبی اکرمﷺ نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے استقبال کے موقع پر فرمائے تھے......جعفر بن ابی طالب المعروف بجعفر الطیار نے مکہ سے حبشہ ہجرت کی اور حبشہ سے جب مدینہ طیبہ آئے تھے تو حضورﷺ نے حضرت جعفر طیار کو گلے لگایا پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا: نہیں معلوم کہ آج جعفر کے آنے کی زیادہ خوشی ہے یا خیبر کے فتح ہونے کی......(صحیح بخاری) کیونکہ دونوں خوشیاں ایک ساتھ جمع ہوگئی تھیں۔

حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہمان کا استقبال کرتے ہوئے کلماتِ خیر اور اظہارِ محبت ومسرت اسلامی کلچر کا ایک حصہ ہے۔

لیبیا کے باشندے مسلمان ہیں یہاں کی اکثریت مسلمان ہے۔ان کا کلچر دراصل اسلامی کلچر ہے الا یہ کہ بعض چیزوں میں اشتراکی کلچر نے اپنی جگہ بنالی ہو......(سفر جاری ہے)

دینی مدارس کے درجہ عالمیہ سے
فراغت پانے والے طلبہ کی توجہ کے لئے

آپ نے درجہ عالمیہ کے امتحان کے لئے ایک تحقیقی مقالہ لکھا ہوگا ،اگر وہ کسی فقہی معاملہ پر ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ وہ شائع ہو اور لوگ اس سے استفادہ کریں ،تو آپ اپنے مقالہ کی کاپی ہمیں ارسال فرمائیں ......اگر مقالہ تحقیقی اعتبار سے معیاری ہوا تو ہم اسے شائع کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں..............اوراگر آپ ہمیں اس کی سی ڈی بھجوادیں تو آپ نے کمپوزنگ وغیرہ پر جو رقم صرف کی ہو وہ بھی ہم ادا کردیں گے ...... (مجلس ادارت مجلہ فقہ اسلامی)

☆ در ناامیدی بسی امید است ...... پایان شب سیہ سپید است ☆

© rasailojaraid.com